اردو میں انشائیہ نگاری کی روایت

یہ ایک غلط فہمی ہے کہ انشائیہ سے مراد محض وہ تحریر ہے جو قاری کو صرف ہنسائے گدگدائے، یا پھر ایسی تحریر جس میں فقط طنز اور مزاح کا پہلو ہو، لیکن ایسا نہیں ہے انشائیہ ایک مضمون کی ہی شکل ہے لیکن یہ مقالہ، سوانح، خاکہ وغیرہ کی نوعیت سے قدر مختلف ہے، مضمون کے عناصر تو اس میں بھی ہوتے ہیں البتہ اس کے طرز تحریر میں شوخی اور طنز و ظرافت کا بھی پہلو شامل ہوتا ہے۔ بلکہ انشائیہ میں مضمون کی خاصیت اور اس کے عناصر کی شمولیت کے علاوہ ضروری ہے کہ اس کا نثر دلچسپ اور رنگین ہو، موضوع کے تحت بات سے بات پیدا کی گئی، جس کے صحت مضمون سے دلکشی اور رعنائی ٹپکتی ہو تحریر میں اس قدر جاذبیت ہو کہ وہ قاری کو مسحور کر دے اور اسے ایک نشست میں مضمون پڑھنے پر مجبور کر دے۔ طنز اور مزاح تو اس کے ذیلی عناصر اور اسلوب تحریر کا ایک وسیلہ ہے جس سے فنکار مضمون میں بالواسطہ طریقہ کار سے اصلاحی کام لیتا ہے۔ ورنہ جو تحریر فقط طنز یا مزاح لیے ہوئے ہو اس کی کوئی ادبی حیثیت ہے ہی نہیں تو وہ صنف کے درجے تک کب پہنچ سکتی ہے۔ جب کہ انشائیہ ایک نثری صنف ہے۔

اردو میں انشائیہ جدید صنف نثر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر دو جملے میں کہنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہلکے پھلکے موضوع پر آزادانہ خیال کے ساتھ بغیر کوئی فنی لوازمات کے پیش کر دینے کا نام انشائیہ ہے۔ یا دوسرے لفظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انشائیہ ہمارے ذہنی ترنگ کے ذریعہ تخلیقی عمل سے گزرتی ہے۔

اردو میں نثری صنف کے مطالعے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ انشائیہ نہ تو پوری طرح طنزیہ مضمون ہے اور نہ ہی پوری مزاحیہ۔ دراصل طنزیہ اور مزاحیہ اردو میں کوئی صنف کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ دونوں عناصر انشائیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس روشنی میں ہم انشائیہ کی تعریف یوں کر سکتے ہیں کہ ''انشائیہ مضمون کی ایک ایسی قسم ہے جس میں انشائیہ نگار اپنے کسی ذاتی تاثرات اور نظریات کو بے تکلفانہ انداز میں ضبط تحریر میں لے آتے ہیں۔ اس میں طنز کا بھی پہلو برائے اصلاح ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ قاری کو گدگدانے کے لئے مزاحیہ انداز اپنایا جاتا ہے۔'' چونکہ اس انداز بیان ہلکا پھلکا ہوتا ہے اس لحاظ سے بعض

ناقدین نے اسے Light Essay بھی کہا ہے۔ دراصل انشائیہ کسی غور وخوض کے بعد وجود میں آنے والا کوئی سنجیدہ یا اہم موضوع پر مشتمل مضمون نہیں ہوتا بلکہ یہ تو ہمارے سماج اور آس پاس کی زندگی کے چلتے پھرتے واقعات کا حصہ ہوتا ہے جسے انشائیہ نگار مزے لے لے کر یا پھر دلچسپ انداز بیان کے ساتھ قاری کے حوالے کرتا ہے۔ وہ بات سے بات پیدا کرتا ہے اور ہر بات کو بالکل انوکھے انداز میں پیش کرتا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ انشائیہ ایک مضمون کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن دیگر تحقیقی وتنقیدی مضامین کے مقابلے اس میں تھوڑا فرق ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ مقالات وتحقیقی مضامین میں مقالہ نگار کوئی بھی بات سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کہتا ہے، اس کے اسلوب میں علمیت کا اظہار ملتا ہے لیکن انشائیہ میں بیان کی رنگا رنگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہاں انشائیہ نگار کسی بھی موضوع ومضمون کو انوکھے اور دلچسپ انداز میں چٹخارے لے لے کر بیان کرتا ہے۔ اس میں طنز اور مزاح کا بھی پہلو ہوتا، علمیت اور سنجیدگی بھی ہوتی ہے اور سب سے بڑی چیز کہ اس فن میں کسی بھی موضوع کو دیکھنے اور اسے پیش کرنے کا انداز انتہائی دلچسپ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سید محمد حسنین نے انشائیہ کی بہت جامع اور مانع تعریف کی ہے جسے ہم بھی یہاں نقل کرنا چاہیں گے۔ دیکھیے یہ اقتباس :

> ”انشائیہ مضمون کی ایک قسم ہے مگر یہ مضمون نہیں جس میں مراسلہ کی خیر وخیریت ملتی ہو، یا روئداد کی خشک کاریوں کا حال جس میں رپورتاژ کی پر اثر طرازانشائی ہوتی ہے خاکہ کے دلچسپ جلووں کی بوقلمونی جس میں مقالہ کی فکر بخش بصارت ہوتی ہے، یا سوانح کی تاریخ وار مرقع نگاری جس میں روزنامچہ کے غیر متعلق بے ربط بیانات ملتے ہوں، یا اداریہ کا کسی عنوان کے پر مسلک کے تحت عامیانہ اظہار خیال۔ مراسلہ روئداد، رپورتاژ، خاکہ، مقالہ، سوانح، روزنامچہ اور اداریہ وغیرہ۔

اور انشائیہ :

> انشائیہ نگاری بھی کسی امر پر روشنی ڈالتا ہے لیکن یہ روشنی رنگا رنگ ہوتی ہے اس میں دھندلکا اور براقی دونوں ہوتی ہے۔ یہ شعاعیں ہماری توجہ کو ایک ہی راستہ پر نہیں لگاتیں .... بلکہ یہ اٹھکھیلیاں کرتی ہیں ....
>
> .....مقالہ پڑھنے کے بعد ہم کچھ سیکھتے ہیں یا کچھ پاتے ہیں۔ ایسی بات یا ایسا خیال جس سے ہماری علمیت کو نئی کوں اضافہ ہوتا ہے جس سے ہماری شخصیت میں تابندگی آتی ہے۔
>
> انشائیہ پڑھنے کے بعد کوئی گم کردہ شے پالیتے ہیں۔ ایسی شے جو روز کی سادہ وسپاٹ زندگی میں آنکھوں سے روپوش رہتی ہے جو زندگی کی ٹھوس اور ناقابل انکار حقیقتوں اور صداقتوں میں اوجھل رہتی ہے۔

بحوالہ” (اردو نثر کا فنی ارتقا“ مرتب ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ص ۲۱۲۔۲۱۳)

میں نے جب انشائیہ نگاری کی تاریخ کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو معلوم ہونے لگا کہ گرچہ ہمارے یہاں ادیبوں کے

مضامین میں ایک عرصے سے انشائیہ کے عناصر موجود ہیں لیکن زمانہ انشائیہ نگاری کی روایت کو باضابطہ طور پر آزادی کے بعد تسلیم کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہمارے بزرگانِ ادب کی تحریریں انشائیہ کے لوازمات کو پورا نہیں کرتی ہیں۔ بلکہ ابتدائی عہد کے انشائیوں میں اگر ہم مولانا آزاد، ابوالکلام آزاد کی تحریروں کو دیکھیں تو ان میں بہترین اور عمدہ قسم کی انشائیہ نگاری کا نمونہ موجود ہے۔

لہٰذا اسی باعث میں نے انشائیہ نگاری کی روایت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے :

☆ **اردو میں انشائیہ آزادی سے پہلے**

☆ **اردو میں انشائیہ آزادی کے بعد**

اردو میں انشائیہ آزادی سے پہلے

یہ عرض کرتا چلوں کہ میں جن انشائیہ نگاروں کا ذکر آزادی سے قبل کے زمرے میں کر رہا ہوں ان میں سے بیشتر فنکاروں کا تخلیقی سفر آزادی سے قبل ہی ختم نہیں ہوا بلکہ ان کا یہ سفر آزادی کے بعد بھی جاری رہا ہے۔ چونکہ اولیت کی حیثیت اور زبان و بیان کے اعتبار سے یہ آزادی کے بعد یا پھر جدید انشائیہ نگاروں سے قدرے مختلف ہیں اس لیے میں نے اسے الگ خانے میں رکھا ہے۔ کیوں کہ آپ دیکھیں گے کہ آزادی کے بعد کے انشائیہ نگاروں کے یہاں پہلے کے انشائیہ نگاروں کے مقابلے فنی سطح پر تھوڑی جدت ضرور پیدا ہوئی ہے۔

آزادی سے قبل جو اہم انشائیہ نگار اور اس صنف نثر کے معمار ہیں ان میں محمد حسین آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، عظیم بیگ چغتائی، فلک پیما، ملا رموزی، محفوظ علی، مہدی افادی، پطرس بخاری اور کنہیالال کپور کے نام زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ مذکورہ شخصیات میں محمد حسین آزاد اور مولانا ابوالکلام آزاد کا شمار اس صنف نثر کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ ان کی بعض وہ تحریریں جسے بعد میں ناقدین نے انشائیہ کے زمرے میں رکھا ہے، اسے خلق کرتے وقت ان کے ذہن میں انشائیہ کا تصور نہیں تھا۔ اسے تو انہوں نے ایک مضمون کی شکل میں خلق کیا۔ زبان و بیان، اسلوب تحریر اور طنز و مزاح کی آمیزش نے اس میں انشائیہ کا رنگ بھر دیا۔ ورنہ اگر ان بزرگوں کی تحریروں دیکھیں تو وہ خالص ایک انشائیے کی ہی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ ایک عالمانہ اور معلومات سے بھرپور مضمون کی صورت ہے۔

اب ہم ان انشائیہ نگاروں کے حوالے سے اس صنف کی روایت پر گفتگو کریں گے :

محمد حسین آزاد (متوفی ۱۹۱۴ء) : محمد حسین آزاد کے حوالے سے پہلے تو مجھے یہ کہنے دیجیے کہ یہ اردو

ادب میں اس شخص کی حیثیت سے جانا اور پہچانا جاتا ہے جنہوں نے نثر کے نت نئے رنگین انداز ایجاد کیے۔ آزاد سے قبل ہماری اردو نثر اتنی دلکش اور جاذب نظر نہیں تھی۔ ان کی نثروں میں بیک وقت میں انشائیہ، تمثیل، اور ڈرامائی کیفیت بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ "نیرنگ خیال" اور "آب حیات" اس کی عمدہ مثال ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۹۵۴ء) : اردو نثر کے میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد کی بہت بڑی دین ہے۔ ویسے تو مولانا اعلانیہ طور پر کوئی باضابطہ طور پر ادبی شخصیت کی حیثیت سے خود کو پیش نہیں کیا لیکن باوجود اس کے اپنی سیاسی اور قید و بند کی زندگی سے وقت نکال کر انہوں اردو نثر کو اسلوب، الفاظ اور زبان و بیان کے اعتبار سے بہت مالا مال کیا ہے۔ ان کی نثر بہت ہی دلکش ہوتی ہے۔ ویسے اگر ہم انشائیہ نگاری کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارے ادب میں ایک عرصے سے موجود ہے لیکن سے بحیثیت انشائیہ آزادی کے آس پاس یا اس کے بعد شناخت ملنا شروع ہوئی۔ میں نے انشائیہ کی تاریخ کو ایک عرصے سے اس لیے کہا ہے کیوں کہ ہم اگر آزادی سے قبل کے کچھ بزرگان ادب کی تحریروں کو دیکھیں تو اس میں بھی ہمیں انشائیہ کے عناصر موجود ملتے ہیں جسے آج ہم انشائیہ کے ذیل میں لاتے ہیں۔ مثال کے طور مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک مضمون کا یہ ابتدائی اقتباس ملاحظہ ہو جو انہوں نے ۱۹۰۳ء میں نئے سال کی آمد پر لکھی تھی :

> "صبح ہوئی، شام ہوئی۔ دن گیا، رات آئی۔ کل چہار شنبہ تھا، آج پنجشنبہ۔ کل اکتسویں تھی
> آج پہلی۔ کل کانوں میں اس مہینے کی آواز آ رہی تھی، آج اس مہینے کا ذکر ہے۔ تھوڑا زمانہ
> ہوا کہ دو چار پانچ چھ مہینوں کا شمار ہو رہا تھا۔ سہ ماہی، شش ماہی قیمت اخباروں میں بھیجی جا
> رہی تھی۔ لیجیے سال تمام ہوا۔ ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر سب ختم! آج جنوری کی پہلی تاریخ ہے
> اور ہمارا قلم اپنے نئے سال کے متعلق ایک مضمون لکھ رہا ہے۔"

("مولانا ابوالکلام آزاد فکر و عمل کے چند زاویے"، ڈاکٹر وہاب قیصر۔ ص ۴۲)

"النوم...نیند کی حقیقت"، اور "تذکرہ" میں مولانا آزاد کی انشائیہ نگاری کی بہترین مثال دیکھنے کو ملتی ہیں۔

خواجہ حسن نظامی (متوفی ۱۹۵۵ء) : اردو انشائیہ نگاری کے میدان میں خواجہ حسن نظامی کی حیثیت اوروں سے بالکل مختلف ہے۔ مختلف اس لیے کہ انہوں نے ایسے ایسے موضوع پر قلم اٹھایا اور اتنی عمدہ چیز لکھی کہ ایک خاص ذہن کا مالک بھی اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ "جھینگر کا جنازہ"، "دیا سلائی"، "آنسو لیپ"، "مچھر" وغیرہ اس کے اسی نوعیت کے مضامین ہیں۔ "سی پارۂ دل" ان کے مضامین مجموعہ ہے جس میں ۱۴۳ انشائیے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ "چٹکیاں گدگدیاں" کے نام سے بھی ان کا اہم مجموعہ ہے۔

"سی پارۂ دل" میں پانچ عنوانات کے تحت مضمیں درج ہیں۔

پہلی منزل : عبد و معبود کے راز و نیاز

دوسری منزل : ذوق وشوق عشق ومحبت، سوز وگداز، ارادت وعقیدت

تیسری منزل : سیر دلبراں در حدیث دیگراں

چوتھی منزل : دین وملت

پانچویں منزل : سیاست ومعاشرت، تمدن اور شذرات

خواجہ حسن نظامی ایک صوفی منش طبیعت کے مالک تھے۔ انہوں نے مذکورہ بالا کتاب میں دونوں جہاں نہ ذک اور اہم موضوع کو بڑے ہی دلکش انداز میں پیش کیا ہے، نیز ان کی اہمیت اور افادیت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اردو انشائیہ نگاری کے میدان میں خواجہ حسن نظامی کے بعد اتنے سنجیدہ اور عمدہ موضوعات پہ کسی نے بھی انشائیہ نہیں لکھے، ور آزادی کے بعد تو انشائیہ زیادہ تر فنکاروں کے یہاں صرف فکر اور لفظی بازیگری کا گورکھ دھندہ بن کر رہ گئی۔

پطرس بخاری (متوفی ۱۹۵۸ء) : اردو انشائیہ کو سنجیدگی سے مزاح سے حد درجہ قریب کرنے میں سب سے پہلے پطرس بخاری کا ہی نام آتا ہے۔ پطرس نے سب سے کم انشائیے لکھے اور سب سے زیادہ شہرت کمائی۔ ان کے موضوع گرچہ اتنے سنجیدہ اور متین نہیں البتہ مزاح کے پہلو اور اس کی پیشکش کے فن میں وہ دوسروں سے سبقت لے جاتے ہیں۔ شاید ہی کوئی قاری ہو جو ان کی تحریر پڑھتے ہوئے لوٹ پوٹ نہ ہو جائے۔ انہوں نے ہلکے پھلکے موضوع پر انتہائی دلچسپ انشائیے لکھے۔ "مرید پور کا پیر"، "کتے"، "مرحوم کی یاد میں"، "ہاسٹل میں پڑھنا"، "اردو کی آخری کتاب"، "لاہور کا جغرافیہ"، "میں ایک میاں ہوں"، "ہاسٹل میں پڑھنا"، "سنیما کا عشق"، "انجام بخیر"، "سویرے جو کل میری آنکھ کھلی"، "میبل اور میں" یہ تمام انشائیہ بہت ہی مقبول اور کامیاب ہیں۔

مثال کے طور پر "کتے" سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

> " آپ نے خدا ترس کتا بھی ضرور دیکھا ہوگا۔ عموماً جس کے جسم پر تپسیا کیا اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ جب چلتا ہے تو اس کی مسکینی اور عجز سے گویا بار بنا وکا احساس آنکھ اٹھانے نہیں دیتا۔ دم اکثر پیٹ کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ سڑک کے بیچوں بیچ غور وفکر کے لئے لیٹ جاتا ہے........ اور آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ شکل بالکل فلاسفروں جیسی، اور شجرہ دیوجانس کلبی سے ملتا ہے۔ کسی گاڑی والے نے متواتر بگل بجایا، گاڑی کے مختلف حصوں کو کھٹکھٹایا، لوگوں سے کہلوایا، خود دس بارہ دفعہ آوازیں دیں تو آپ نے سر کو وہیں زمین پر رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو کھولا۔ صورت حالات کو ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کسی نے ایک چابک لگایا آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اٹھ کر ایک گز پرجا بیٹھے۔ اور خیالات کے سلسلے کو جہاں سے ٹوٹ گیا تھا، وہیں سے پھر شروع کر دیا۔ "

("مضامین پطرس"، پطرس بخاری۔ ص۔ ۳۱،۳۲)

ہم دیکھ سکتے ہیں پطرس بخاری نے نے مذکورہ بالا مضمون میں کتے کی منفرد خصلتوں کو جن خوبیوں سے متصف کر کے پیش کیا ہے جہاں تک ہمارے سوچ کی رسائی کم ہی ہو سکتی ہے۔ دراصل یہی ایک خاص ذہنی افتاد اور ترنگ ہے جو انشائیہ نگار کو دوسرے مضمون نگار سے